ادارۃ خدمۃ القرآن الکریم کراچی

دورۃ القرآن الکریم وعلومہٖ

سبق نمبر (16)

زیرِ تدریس خادم القرآن الکریم حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب دامت برکاتہم

رئیس مرکز الافتاء والارشاد گلستانِ جوہر کراچی

ہر جمعہ صبح 9:00 تا 11:00

بمقام: مسجد اختر گلستانِ جوہر، بلاک ۱۲، کراچی

دورۃ القرآن الکریم وعلومہٖ

رابطہ نمبر +92 332 3158542 +92 332 3264993
بذریعہ انٹرنیٹ LIVE موبائل ایپ Ghurfa www.HazratFerozMemon.org

قرآن کریم کے وجوہِ اعجاز

ا۔ قرآن کریم کے مفردات

ا۔ مفردات میں قرآن کریم وہ کلمہ اختیار فرماتا ہے جس سے زیادہ ترجمان مراد اور موقع کے مناسب اور کوئی کلمہ نہیں ہوسکتا۔

۲۔ قتل فی سبیل اللہ کے لیے شہادت کا لفظ پہلے سے موجود نہ تھا قرآن کریم نے اسے اس محل میں لا کر ایک بڑی حقیقت پر متنبہ کیا اس سے زیادہ اوفی بالمقام اور کوئی کلمہ نہ ہوسکتا تھا۔

۳۔ پھر نیک اعمال کے لیے جو اعراض ہیں باقیات کا لفظ اختیار فرمایا اس سے بڑھ کر ادنیٰ بالحقیقۃ اور کوئی لفظ نہ تھا۔

۴۔ عورت انسان کے لیے غایت اتصال، پردہ پوشی، دفع مضرت آبرو اور زینت میں ایک نسبت رکھتی تھی اسے ایک لفظ سے بیان کر دیا۔ **هن لباس لكم وانتم لباس لهن** (پ۲ البقرہ) اس میں سب مرادات آ گئیں یہاں لباس سے زیادہ اور کوئی لفظ اولیٰ بالمقام نہ تھا۔

۵۔ قرآن کریم نے ایک مقام پر موت کی تعبیران الفاظ سے کی ہے:

فمنهم من قضىٰ نحبه. (پ۲۱ الاحزاب ۲۳)

ترجمہ: پس ان میں ایسے بھی ہیں جو اپنی ذمہ داری پوری کر چکے۔

موت کی اس تعبیر نے اسلامی تعلیمات کے تمام پہلوؤں کو اپنے اندر سمو لیا ہے اور متنبہ کیا ہے کہ موت ایسی ہی مطلوب رہے۔

۶۔ اللہ رب العزت نے آنحضرتؐ کا ہر گناہ سے تحفظ فرمایا ہے اسے قرآن کریم اس تعبیر سے پیش فرماتا ہے:

ولولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیهم شیئًا قلیلا

(پ۱۵ بنی اسرائیل)

ترجمہ: اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو قریب ہو جاتا کہ آپ ان کی طرف کچھ جھک جاتے

اب یہاں عصمناک یا حفظناک وغیرہ کے مقابلہ میں ثبتناک کی تعبیر جس ثابت قدمی اور عصمت کے تسلسل کو بیان کر رہی ہے اور کوئی کلمہ اس سے اوفیٰ بالحقیقت اور اس مقام کے لائق نہ تھا اس پورے مضمون کو ایک لفظ ثبتناک سے بیان کر دیا۔

۷۔ عورتوں کے حقوق بیان کرتے ہوئے خاوند کے لیے الذی علیھا (جو اس پر حاکم ہے) کے الفاظ اختیار فرمائے۔

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف. (پ۲ البقرہ ۲۲۸)

ترجمہ: اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ ان کا حق ہے جو اُن پر حاکم ہیں دستور کے مطابق۔

یہاں الذی علیھن کی تعبیر اختیار کر کے کس مسلمہ پیرایہ میں خاوند کی بالادستی واضح کر دی ہے۔

۸۔ نفع کے مقابلے میں ضرر کا لفظ تھا قرآن پاک نے اس مقام پر ضرر کی بجائے اثم (گناہ) کا کلمہ نفع کے مقابلے میں اختیار فرمایا اثمھما اکبر من نفعھما (پ۱ البقرہ ۲۷) اور اس حقیقت پر متنبہ کر دیا کہ اثم (گناہ) میں ضرر ہی ضرر ہے۔ کتنی بڑی حقیقت ایک لفظ میں بیان فرما دی۔

۹۔ ان ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما نحن بمبعوثین (پ۷ الانعام ۲۹، المومنون ۳۷) جاہلیت کے اعتقاد میں موت کے لیے توفی کا استعمال نہ تھا ان کے اعتقاد میں مرنے کے بعد کوئی زندگی نہ تھی۔ توفی پورا وصول کرنے کو کہتے ہیں ان کے عقیدہ میں موت توفی نہ ہو سکتی تھی۔ قرآن پاک نے موت پر توفی کا اطلاق کیا اور بتایا کہ موت سے وصول یابی ہوتی ہے یہ فنائے محض کا نام نہیں اس حقیقت کو ایک کلمہ سے ظاہر کر دیا اور کبھی اس لفظ کا اطلاق اپنے اصل معنوں میں جسد مع الروح کے وصول کرنے پر بھی کیا۔ موت پر اس کا اطلاق ایک مجاز ہے۔

یہ ہم نے چند مثالیں پیش کی ہیں۔ قرآن کریم نے اپنے مفردات میں بڑے بڑے عقلاء کو حیرت میں ڈال دیا ہے ان پر جوں جوں غور کرتے جاؤ قرآن کی شانِ اعجاز اور نکھرتی جاتی ہے۔ پہلے علمائے عربیت نے اعجازِ قرآن کی اس جہت پر زیادہ زور نہیں دیا تھا مگر متاخرین میں امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اس وجہ اعجاز سے خوب نقاب کشائی کی ہے اور اس پر

+92 332 3264993 +92 332 3158542 رابطہ نمبر
www.HazratFerozMemon.org Ghurfa موبائل ایپ LIVE بذریعہ انٹرنیٹ
ہر جمعہ صبح 9:00 تا 11:00
بمقام: مسجد اختر گلستانِ جوہر، بلاک ۱۲، کراچی
دورۃ القرآن الکریم وعلومہ

بہت عمدہ مثالیں پیش کی ہیں۔ ہم نے اس مضمون میں ان سے بہت استفادہ کیا ہے۔

۲۔ ترکیبِ کلمات

ا۔ قرآن کریم مشرکین کے شرک اور ان کی ذہنی پستی کو یوں بیان فرماتا ہے۔

وجعلوا للہ شرکاء الجن. (پ۸ الانعام ۱۰۰)

ترجمہ: اور ٹھہرائے انہوں نے اللہ کے شریک اور وہ بھی جن۔

ظاہر قیاس چاہتا تھا کہ عبارت یوں ہوتی۔ **وجعلو الجن شرکاء للہ** کہ انہوں نے جن اللہ کے شریک ٹھہرائے۔ لیکن یہاں مراد یہ ظاہر کرنا ہے کہ انہوں نے خدا کے شریک ٹھہرائے اور یہ کوئی معمولی جرم نہیں کیا وہ شریک بھی کون؟ جن۔ یہ مراد اسی ترتیب اور نشست الفاظ سے حاصل ہوسکتی ہے کہ الجن کا لفظ بعد میں ہو۔

۲۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت مسیح سے پوچھیں گے کہ کیا تم نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو؟ حضرت مسیحؑ علیہ السلام کہیں گے۔

سبحانک مایکون لی ان اقول مالیس لی بحق.

(پ۷ المائدہ ۱۱۶)

ترجمہ: تو پاک ہے مجھے لائق نہیں کہ کوئی بات خلافِ حق کہوں۔

ظاہر قیاس یہ ہے کہ پہلے اپنی بریت ہوتی کہ میں نے ایسا ہرگز نہیں کیا اس کے بعد اپنا عقیدہ بیان کرتے اور سبحانک کہتے۔ خدا کی پاکی کا بیان اس طرح ہو جاتا۔

لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ رب العزت اس سے پاک ہے کہ اس کا پیغمبر اس کے بارے میں ایسی بات کہے (یعنی وہ ایسے غلط انسان کو پیغمبر بنانے کے عیب سے پاک ہے) اور اس سے بھی پاک ہے کہ حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ اس کے شریک ہوں یہ مراد اسی ترتیب اور نشست الفاظ سے حاصل ہوسکتی تھی کہ سبحانک کا لفظ مقدم ہو پہلے رب العزت کی تنزیہ ہو اور پھر اپنی بریت۔

۳۔ رب العزت کفار کے اعمال کی مثال اس کھیتی سے دیتے ہیں جسے پالا لگ گیا اور وہ ضائع ہوگئی ہو اس پر متنبہ کیا کہ کافروں کے اعمال بالکل بے ثمر ہیں۔

اصابت حرث قوم ظلموا انفسھم فاھلکتہ. (پ۴ آل عمران ۱۱۷)

ترجمہ: وہ ہوا کافر قوم کی کھیتی کو لگی سو اسے برباد کر دیا۔

آندھی اور پالا ظاہراً جس طرح کافروں کی کھیتی کو برباد کر دیتا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے کھیت کو بھی تباہ کر دیتا ہے ظاہر میں یہ ظلمواانفسھم کی قید زائد ہے اس باب میں مومن اور کافر دونوں میں کوئی فرق نہیں آندھی اور پالے سے کھیتی دونوں کی برباد ہوتی ہے مگر رب العزت کافروں کے اعمال کو یہاں بالکل بے ثمر فرما رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ مسلمان کی کھیتی تباہ ہونے کی صورت بایں وجہ کہ اس کے گناہ جھڑتے ہیں یا سرمایہ آخرت میں اضافہ ہوتا ہے کلی طور پر تباہ نہیں ہوتی اگر یہاں جل بھی گئی تو اس کے اثرات بہرحال باقی ہیں یہ کافر ہی ہیں جن کی کھیتی کلی طور پر تباہ ہوتی ہے کیونکہ ان کے نقصانات کے آخرت میں کوئی اثرات نہیں۔ قرآن کریم کی یہ مراد انہی الفاظ سے بیان ہوسکتی تھی یہ قیدزائد نہیں اتنی اوفیٰ بالحقیقت اور اوفیٰ بالمقام تعبیر اور کسی ترکیب الفاظ میں ممکن نہیں۔

۴۔ قرآن کریم میں جہاں معاملات میں دو گواہوں کی ضرورت کا بیان ہے وہاں یہ بھی مذکور ہے کہ اگر دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں بھی ان کے قائم مقام ہوسکتی ہیں دو عورتیں ایک مرد کے برابر اس لیے ہیں کہ اگر ایک بھولے تو دوسری اسے یاد دلا سکے۔ اس پر قرآن کریم یہ ترکیب اختیار فرماتا ہے:۔

ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخریٰ.

(پ۳البقرہ۲۸۲)

ترجمہ: ایک اگر ان میں سے بھول جائے تو اُسے دوسری یاد دلا سکے۔

ظاہر قیاس یہ ہے کہ عبارت یوں ہو ان تضل احدٰھما فتذکر ھا الاخریٰ لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ اگر دوسری بھولنے لگے تو اُسے پہلی بھی واقعہ یاد دلا سکے اور روک سکے یہ مضمون اس طرح پورا ہوتا تھا۔

ان تضل احدٰھما فتذکر ھا الاخریٰ وان تضل الاخریٰ فتذکر ھا الاولیٰ

قرآن کریم نے کس نفیس اور عمدہ پیرائے میں دونوں باتوں کو یکجا کر دیا ہے اور فتذکر احدٰھما الاخریٰ کی تعبیر میں کتنا اونچا ایجاز فرمایا ہے اس تعبیر سے بہتر اور اوفیٰ بالمقام اور کوئی عبارت نہیں ہوسکتی۔ قرآن کریم وہ ترکیب پیش کرتا ہے کہ ثقلین اس کی نظیر

دورۃ القرآن الکریم وعلومہ ہر جمعہ صبح 9:00 تا 11:00 بمقام: مسجدِ اختر گلستانِ جوہر، بلاک ۱۲، کراچی
رابطہ نمبر +92 332 3158542 +92 332 3264993
بذریعہ انٹرنیٹ LIVE موبائل ایپ Ghurfa www.HazratFerozMemon.org

پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

۵۔ جب برائی حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف بڑھنا چاہتی تھی اور حضرت یوسفؑ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عصمت کا سایہ تھا چنانچہ وہ بالکل محفوظ رہے تو اس مقام پر قرآن کریم یہ نہیں کہتا کہ ہم نے یوسفؑ کو برائی سے روکے رکھا بلکہ یہ تعبیر اختیار کرتا ہے کہ ہم نے برائی اور بے حیائی کو یوسفؑ سے پرے رکھا۔ جب دو میں کشمکش ہوتو ہٹایا اسے ہی جاتا ہے جو دوڑ دوڑ کر آگے بڑھے۔ یہاں برائی یوسف علیہ السلام کی طرف بڑھنا چاہتی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام میں اس کا کوئی داعیہ پیدا نہ ہوا تھا۔ آپ میں معصومیت کی پوری شان جلوہ گر تھی۔

كذلك لنصرف عنه السوء والفحشاء. (پ۱۲ یوسف ۲۴)

ترجمہ: یوں ہی ہوا کہ ہم ہٹائیں اس سے برائی اور بے حیائی۔

قرآن کریم کی یہ تعبیر کتنی اولیٰ بالحقیقت اور حضرت یوسفؑ کی شان عصمت کے عین لائق ہے اس مضمون کی اس سے بہتر تعبیر نہیں ہوسکتی کہ برائی ان کی طرف آنا چاہتی تھی ہم نے اسے روک دیا۔

۳۔ ایک نرالا اسلوب

نزولِ قرآن کے وقت عربوں میں جو اسالیب کلام رائج تھے وہ نظم تھے یا نثر۔ نظم صدیوں کے ارتقاء کا نتیجہ تھا جس کے بڑے بڑے ابواب فخریہ، حماسہ، مدح و ہجو اور حکم و امثال وغیرہ تھے۔ نثر خطابات عامہ کے لیے تھی اور یہی اظہار خیال کا ایک فطری ذریعہ تھا ایسے ماحول میں آنحضرت ﷺ نے ایک پوری کی پوری کتاب عربوں کے سامنے پیش فرمائی جس کا اسلوب بالکل انوکھا تھا وہ نہ نظم تھی نہ نثر، ایک نیا طرزِ کلام تھا عربوں میں سے اس کی کوئی نظیر پہلے سے نہ تھی وہ اس نئے نمونہ کلام سے ششدر تھے

مخالفین اس سلسلہ میں قیس بن ساعدہ اور امیہ بن ابی الصلت کے جن خطبات اور اشعار کو اس دور کے قرآنی اسلوب کے طور پر پیش کرتے ہیں وہ سب وضعی روایات ہیں جو بعد کے ادیبوں اور شاعروں نے قرآنی اسلوب کی پیروی میں کہہ کر قدیم شعرائے عرب کی طرف منسوب کردی ہیں ان خطبات و اشعار کا جاہلی ہونا ہمیں تسلیم نہیں۔

اور وہ قوم جس کی سرزمین شعر و ادب کو اس طرح جنم دیتی تھی جیسے سبزہ برسات میں اُگتا ہے اس کے اسلوب کو سمجھنے میں یہاں تک بہک گئی کہ بعضوں نے اسے نظم سمجھ کر آنحضرت ﷺ کو شاعر کہہ دیا اس پر انہیں یہ جواب ملا۔

وما علمناه الشعر وما ينبغي له ان هو الا ذكرو قران مبين

(پ۲۳ یٰسین ۶۹)

ترجمہ: اور ہم نے اپنے پیغمبر کو شعر کہنا سکھایا ہی نہیں اور نہ یہ آپ کی شان کے لائق ہے سوائے اس کے نہیں کہ یہ ذکر ہے اور قرآن مبین ہے۔

اور جو لوگ سمجھتے تھے کہ اس کا اسلوب نظم نہیں وہ بھی اس کی لاثانی بندش اور بے مثل روانی کو دیکھ کر اسے نثر کہنے سے جھجکتے تھے یہ ایک نیا اسلوب کلام تھا جس نے پوری قوم کو حیران کر دیا تھا آیت مذکورہ میں بھی شعر کے مقابلے میں قرآن کا نام لیا گیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کا ایک اپنا اسلوب ہے اسلوب کا مقابلہ اسلوب ہی سے ہوتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا قرآن کریم کو ایک نرالے اسلوب میں پیش کرنا اور پورے عرب کو اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز کر دینا پھر پوری قوم عرب کا اس کے اسلوب کے تعین میں سرگرداں ہونا قرآن کے معجزہ ہونے کی وہ تاریخی شہادت ہے کہ اس کے سامنے مخالفین اسلام اب تک سر بکف ہیں۔

ایک سوال

جس طرح نظم و نثر میں بعض اہل کمال امام فن ہوئے ہیں اسی طرح حضور ﷺ کو اس نئے اسلوب کا امام اور بانی کیوں نہ سمجھ لیا جائے نیا اسلوب پیش کرنے سے یہ کیسے لازم آیا کہ قرآن کریم معجزہ ہے یہ آپ کی تصنیف نہیں۔

جواب: نظم و نثر کے اسلوب صدیوں کے ارتقاء کے بعد اپنے کمال کو پہنچے ہیں۔ پس یہ نیا اسلوب بھی اگر انسانی فکر کی پیداوار ہوتا تو اس کی بھی پہلے سے کوئی تمہید ہوتی کیونکہ قرآن اس اسلوب کا مقام کمال اور اس کی انتہائی منزل ہے اور اگر یہ اس اسلوب کی بالکل ابتداء تھی تو ضروری تھا کہ اس کی ارتقائی منازل اور اس کے بعد مقاماتِ کمال اسے بالکل پس پشت ڈال دیتے۔

پس جب یہ دونوں صورتیں **منتفی** ہیں نہ اس انوکھے اسلوب کی کوئی پہلے تمہید تھی اور نہ اس کا کوئی بعد میں ارتقاء ہوا بلکہ اس کی ابتداء ہی اس کی انتہا رہی اور وہ اپنی نظیر خود آپ ہی ہے تو یہ تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ یہ کسی انسان کی تصنیف نہیں بلکہ یہ اس ذات برتر کا کلام ہے جس کی ذات ہر قسم کی تمہید اور ارتقاء سے پاک ہے۔

۴۔مقاصد میں وجہ اعجاز

قرآن کریم کسی فوق الفطرت مسئلے کو موضوع نہیں بناتا اس کے مباحث ہمیشہ انسان کی عملی زندگی سے متعلق ہوتے ہیں ان میں معاش و معاد کی اصلاح اور دنیا و آخرت کی فلاح ونجاح کے سبق ہوتے ہیں مسئلہ نبوت کو ہی لیجئے یہ خدا اور دوسرے بنی آدم کے مابین ایک برزخی مقام ہے جس کی کنہ امت کی فکری پرواز سے بالا ہے یہاں مسئلہ ذات سے نکل کر صفات میں آجاتا ہے اور قرآن کریم نبوت کا تعارف ذات کی بجائے اس کی صفات سے کراتا ہے ان صفات کا تعلق نسل آدم کی ہدایت اور فلاح سے ہے:۔

لقد من اللہ علی المؤمنین اذبعث فیھم رسولاً من انفسھم
یتلو علیھم اٰیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ.

(پ۴آل عمران۱۶۴)

یہاں نبوت کی حقیقت پر بحث کرنے کی بجائے اس تعلق اور رابطے کو بیان کیا جارہاہے جو نبی اور امت کے مابین ہونا چاہیے۔نبوت کا تعارف ذات کی بجائے صفات سے ہورہاہے پھر نبوت تو ہمارے لیے غیر مدرک بالکنہ ہے لیکن نبی کی ذات محسوسات میں پوری طرح عیاں ہے قرآن پاک ویدوں کی طرح ایسی ربانی ہستیاں تجویز نہیں کرتا جن کا محسوسات میں کوئی تعین ہی نہ ہوسکے۔قل انما انا بشر مثلکم کے بعد نبوت کا امتیاز یوحیٰ الی کی صفت سے قائم کیا جاتا ہے۔کنہ نبوت کو موضوع بحث نہیں بنایا جاتا ہے آگے اعتقادی اصلاح کے لیے الھکم اللہ واحد کے بعد فوراً عملی زندگی پر متوجہ کردیا جاتا ہے۔فلیعمل عملاً صالحاً اور وہ بھی اس لیے کہ عقیدہ توحید کا اثر عملی زندگی پر بھی ضرور پڑنا چاہیے۔

قرآن پاک اپنے مقاصد کو ہر موضوع میں عزیز رکھتا ہے یہ قرآن کی وہ شانِ اعجاز ہے جس کے سامنے ویدوں اور اوستا کے تمام فوق الفطرت اور اُلجھے ہوئے مباحث یکسر

دورۃ القرآن الکریم وعلومہٖ ہر جمعہ صبح 9:00 تا 11:00 بمقام: مسجد اختر گلستانِ جوہر، بلاک ۱۲، کراچی
رابطہ نمبر +92 332 3158542 +92 332 3264993
بذریعہ انٹرنیٹ LIVE موبائل ایپ Ghurfa www.HazratFerozMemon.org

ماند پڑ جاتے ہیں۔

قرآن کریم میں جہاں کہیں کائنات کے بارے میں کچھ بتایا گیا ہے۔ یا زمین و آسمان اور شمس و قمر کے کچھ حالات مذکور ہیں وہاں یہ مراد نہیں کہ کائنات کی حقیقت اور زمین و آسمان کی ہیئت و حرکت وغیرہ کے متعلق تحقیقی اور عملی معلومات مہیا کیے جائیں قرآن ان مباحث کو اگر موضوع بنالے تو اپنے مقاصد سے نکل جائے گا۔ قرآن کریم ان چیزوں کو اگر کہیں ذکر کرتا ہے تو ان سے استدلال کر کے انسانی ذہن کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے اس میں اس دنیا کے لیے راہ عمل ہے اور اس میں آخرت کی فلاح موعود ہے۔

روح کے متعلق پوچھا گیا تو قرآن کریم نے اس کی حقیقت پر بحث کرنے کی بجائے اس کے متعلق انسانی علم کی کمزوری کو انسانی بے چارگی اور درماندگی کی دلیل بنایا ہے۔ سوال کے متعلق اتنی بات ہی کہی قل الروح من امر ربی اور پھر اپنے مقصد کو یوں بیان کر دیا وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔

یہ بات قرآن کریم کا ایک معجزہ ہے کہ اس کے مضامین بیشتر مقامات پر ان کائناتی چیزوں کو چھوتے ہوئے گزرتے ہیں اور معاش و معاد کی فلاح ونجاح کے لیے ان سے سبق لیا جاتا ہے لیکن ان ضمنی تذکروں میں کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہی گئی ہے جسے بعد کی سائنسی معلومات اور انسانی تحقیقات نے غلط ثابت کر دیا ہو۔ قرآن ان کائناتی حقیقتوں سے اس طرح گزرتا ہے کہ آج کے لوگ اور آج سے ہزار سال پہلے کے نظریات کے لوگ ان تذکروں سے برابر کے لطف اندوز ہوتے ہیں ان ضمنی بیانات سے جس طرح وہ ذہن مطمئن تھے جو فلسفہ یونان کے دلدادہ تھے اسی طرح آج کے وہ لوگ بھی جو سائنسی اکتشافات اور مادی تحقیقات میں بہت آگے نکل چکے ہیں۔ قرآن کے کائناتی تبصروں پر انگلی نہیں رکھ سکتے۔ انسانی تحقیقات کہاں سے کہاں نکل جائیں لیکن قرآنی بیانات اور قرآنی دلائل پہلے سے بھی زیادہ روشن ہوتے چلے جائیں گے۔ قرآن پاک کی یہ شانِ اعجاز ہے کہ وہ کائناتی حقیقتوں کو اس انداز میں چھوتا ہے کہ کسی دور کی کوئی تحقیق اس کے خلاف نہیں پڑتی اور اس پر جتنا غور کیا جائے یہ یقین اور بڑھتا جاتا ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔

قرآن ایک دعوت عمل ہے یہ فلسفے کا الجھاؤ نہیں وہ زندگی کے مسائل کو افراد کی بجائے اصولوں میں پیش کرتا ہے۔ خلافت نبوت پر غور کیجیے قرآن عزیز اسے کسی خاص نسل و

رنگ سے وابستہ کرنے کی بجائے ایمان اور عمل صالح پر مبنی قرار دیتا ہے۔ (وعد اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم و عملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض۔ (پ۱۹ النور۵۵) اور پھر اس منصب امامت کو کسی ایک خاندان میں محدود رکھنے اور فوق الفطرت اسرارِ الٰہیہ کے روپ میں پیش کرنے کی بجائے وہ مقاصد خلافت کو پیش کرتا ہے جن پاک انسانوں کے ہاتھوں یہ مقاصد پورے ہوں وہ صحیح معنوں میں منصب امامت پر فائز مانے جائیں گے۔ خلافت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ یہ خلفاء کرام خدا کی زمین میں اسلام کا رعب و دبدبہ اور حق کی حکومت قائم کر کے انسانیت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کریں خلفاء راشدینؓ خدا کے قانون کو نافذ کر کے اس کے جلال و جمال کے مظہر بنیں۔ قرآن عزیز خلافت کی ذات سے بحث کرنے کی بجائے خلافت کا تعارف اس کی صفات اور اس سے برآمد ہونے والے نتائج سے کراتا ہے۔ یہ مقاصد کے اعتبار سے قرآن کی شان اعجاز ہے۔

۵۔ اخبار بالمغیبات

آنحضرت ﷺ نے قرآنی ارشاد کی روشنی میں اعلان فرمایا کہ علم غیب اللہ رب العزت کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

قل لایعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللّٰہ.

(پ۲۰، النمل ۶۵)

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔

وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو. (پ۷الانعام۵۹)

ترجمہ: اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں ان کو اس کے سوا کوئی جاننے والا نہیں۔

آنحضرت ﷺ کا نہ اپنا یہ دعویٰ تھا کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ آپ نے کہانت یا عرافت کے کہیں تجربات کیے تھے بلکہ اپنے دائرہ ارشاد میں ہمیشہ ان باتوں سے نفرت دلاتے رہے۔ آپ کی سیرت طیبہ میں رمل و نجوم کی کہیں کوئی آلائش نہیں ملتی۔

ان واقعات کی روشنی میں جب ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کئی وقائع ماضیہ اور کئی آئندہ ہونے والی باتوں کی خبریں دیں اور یہ وہ امور تھے جن کا علم آنحضرت ﷺ کو علم غیب، کہانت، عرافت، رُمل یا جفر یا نجوم وغیرہ کسی طریق سے حاصل نہ تھا لیکن جب وہ اخبار غیبیہ حرف بحرف پوری ہوئیں تو اس سے پتہ چلا کہ ان سب خبروں

کی بنیاد علم وحی پر تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جن جن مغیبات کی خبر دی آئندہ کے اکتشافات اس کے کسی پہلو کو غلط ثابت نہ کر سکے اور جو کچھ آئندہ کے لیے بتایا گیا حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔

مثلاً خبر دی گئی:۔

الٓمٓo غُلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبونo فی بضع سنینo (پ۲۱ الروم)

ترجمہ: قریب کے ملک (فارس) میں رومی مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد پھر اہل فارس پر غالب آجائیں گے۔ یہ نو سال کے اندر ہو کر رہے گا۔

لغت اور حدیث میں لفظ بضع کا اطلاق تین سے نو تک پر ہوا ہے ہم نے ترجمے میں نو کی صراحت کر دی ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسلمانوں کی طرف سے اس کے ظہور کی مدت چھ سال مقرر کی تھی پھر حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق اس میں ترمیم کر کے نو سال کی شرط قائم کی (دیکھیے مستدرک حاکم جلد۲ تفسیر سورۃ الروم)

عجم پر رومیوں کے غالب آنے کے متعلق جس امر کی خبر جتنے زمانہ کے ساتھ مقید کر کے قرآن نے پیش کی حرف بحرف پوری ہو کر رہی۔ عین بدر کے دن جب مسلمان فتح و نصرت کی خوشیاں منا رہے تھے یہ خبر پہنچی کہ رومی اہل کتاب دوبارہ ایران کے مجوسیوں پر غالب آگئے ہیں رومیوں کی مغلوبیت بعثتِ نبوی ﷺ کے پانچ سال بعد واقع ہوئی تھی اس کے بعد ٹھیک نو سال کے اندر اندر قرآن کریم کی مذکورہ پیش گوئی چمکتے ہوئے آفتاب کی صورت میں صداقت کے مطلع اعجاز سے چمکی۔ آنحضرت ﷺ کا غیب کی ایسی خبریں دینا اور پھر ان سب کا حرف بحرف پورا اترنا قرآن کریم کی ایک مستقل وجہ اعجاز ہے۔

گبن اپنی مشہور کتاب "تاریخ زوال روما" کی تیسری جلد میں لکھتا ہے:۔

محمد (ﷺ) نے ایرانی فتوحات کے عین شباب میں پیشگوئی کی کہ چند سال کے اندر اندر رومی جھنڈے دوبارہ فتح کے ساتھ بلند ہوں گے جب یہ پیش گوئی کی تو اس وقت اس سے زیادہ بعید از قیاس کوئی بات نہیں کہی جاسکتی تھی۔ (تاریخ زوال روما)

جب یہ پیشگوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی تو حضرت صدیق اکبرؓ جنہوں نے

مسلمانوں کی طرف سے مشرکین کے ساتھ پیان باندھا تھا اوراس کے پورا ہونے پر قسم اٹھائی تھی پھولے نہ سماتے تھے اورمدینہ کے بازاروں میں بلند آواز سے الٓمّٓ o غلبت الروم فی ادنیٰ الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون کی تلاوت کرتے گزرتے تھے۔

۶۔اثرات میں وجہ اعجاز

قرآن کریم ایک ایسے زمانے میں نازل ہوا جب کہ ساری دنیا ایک عجیب روحانی سکتے کی حالت میں تھی اورآنحضرت ﷺ ایک ایسے ملک میں مبعوث ہوئے جہاں کوئی باقاعدہ تمدن نہ تھا اس قوم کے پاس کوئی تہذیبی ورثہ بھی نہ تھا لیکن قرآن پاک نے ایک نہایت قلیل عرصے میں ایک ایسا محیر العقول انقلاب پیش کیا کہ عوام وخواص، حکماء وخطباء، فصحاء و بلغاء بڑے چھوٹے جوان بوڑھے آقا و غلام بدوی وشہری سب اس ریلے میں بہہ گئے اورقرآن نے ہرایک کے دل میں اس کے ظرف اورمزاج کے مطابق وہ تبدیلی پیدا کی کہ صدیوں کے بھٹکے ہوئے خدا کی راہ پر چل نکلے، جو بت پرست تھے بت شکن ہوگئے۔ حمیت و وحشت کی جگہ صبر وتحمل آگیا، بربریت کی جگہ فکر وتدبر نے لے لی اور پشتینی عداوتوں سے لبریز سینے چند سالوں کے اندر پیغام رحمت بن گئے۔ اتنے قلیل عرصے میں اتنے عظیم اثرات اور ہر کہ و مہ پر اتنی روشن انقلابی تاثیرات قرآن کریم کی شانِ اعجاز کے وہ تاریخی شواہد ہیں کہ کوئی مبصرانہیں عادی اور مادی اسباب کے تحت تصور نہیں کرسکتا۔

۷۔عدیم النظیر تحفظ میں شانِ اعجاز

انسانیت کی پوری تاریخ میں اگرکوئی کتاب اتنی ضخامت کے باوجودابتدائے ظہور سے آخر تک ایک جم غفیر کے سینوں میں محفوظ رہی ہے تو وہ صرف قرآن کریم ہے جس طرح اس مقدس کتاب نے علم و ادب کے بڑے بڑے نمائندوں کو اپنی نظیر پیش کرنے سے عاجز کردیا۔اسی طرح اس کی بے مثل حفاظت بھی تاریخ کو اپنی مثال پیش کرنے سے عاجز کرتی ہے۔ **انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون** کی پیشگوئی تاریخ کے ہر دور میں داد تصدیق حاصل کرتی رہی ہے اورآج بھی ربع مسکوں کا کوئی ایسا قطعہ نہ ہوگا جہاں اس امانت الٰہیہ کا کوئی نہ کوئی امین موجود نہ ہو۔آپ کو ہرجگہ قرآن کے کئی کئی حافظ ملیں گے۔